بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

گزشتہ ترجمان میں ہم "حقوقِ نسواں کمیٹی" کی رپورٹ پر دفعہ ۶۹ تک اپنا تبصرہ پیش کر چکے ہیں۔ ہماری آخری گزارش یہ تھی کہ طلاق یا تفریق کی صورت میں چھوٹے بچوں کی پرورش اور حقِ حضانت کے مقدمات میں فحش کاری اور بدکاری کے جو جھوٹے الزامات فریقین ایک دوسرے کے خلاف عائد کرتے ہیں ان کے انسداد کے لیے اوّلین چارۂ کار تو یہ تھا کہ ان الزامات کے غلط یا صحیح ثابت ہونے پر حدودِ شرعیہ کا نفاذ عدالتوں کے ذریعے سے ہوتا۔ لیکن جب تک پاکستان میں وہ روزِ سعید طلوع نہیں ہوتا، اس وقت تک ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ حضانت کے مقدمات میں کسی فریق کو یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ زنا اور بدکاری کے الزامات فریقِ مقابل کے خلاف عائد کرے۔ اس سلسلے میں کمیٹی کی بحث پڑھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ ارکان کمیٹی کے خیال میں اولادِ صغار کے لیے والدہ کا حقِ حضانت ساقط کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عورت کو بدچلن اور بدکردار ثابت کیا جائے اور اس کی پاکدامنی کو متہم کیا جائے۔ کمیٹی نے اس سلسلہ میں "ولیان و نابالغان ایکٹ ۱۸۹۰ء" کا حوالہ دیا ہے۔ ہم نے اس ایکٹ کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہماری رائے کے مطابق اس ایکٹ کی رُو سے یہ لازم نہیں ہے کہ عورت کو حقِ حضانت سے محروم کرنے کے لیے اسے ضرور ہی بدکار اور بدچلن ثابت کیا جائے۔ اس ایکٹ کی دفعہ ۳۹ میں وہ وجوہ بیان کر دیے گئے ہیں جن کی بنا پر ایک عورت کا یہ حق ساقط کیا جاسکتا ہے۔ وہ وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ عورت بچوں سے بدسلوکی کرے یا اُن کی مناسب حفاظت و تربیت میں غفلت برتے۔

۲۔ وہ کسی ایسے جرم میں سزا یافتہ ہو جو عدالت کی نگاہ میں ایسے اخلاقی عیب پر مبنی ہو جو اُسے بچوں کی نگرانی کے لیے نااہل بنا دے۔

۳۔ اُسے ایسے مشاغل سے دلچسپی و انہماک ہو کہ وہ بچوں کی کما حقہٗ دیکھ بھال نہ کر سکے۔

اس ایکٹ کی دفعہ ۲۱ میں حقِ حضانت کے خاتمے کی ایک مزید وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:

"عورت کسی ایسے مرد سے نکاحِ ثانی کرلے جو نابالغ بچی کا ولی نہ بن سکتا ہو یا عدالت کی رائے میں وہ ولایت کے لیے غیر موزوں ہو۔"

ہمارے فقہائے کرام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں والدہ کا حقِ حضانت ساقط ہونے کے جو اسباب بیان فرمائے ہیں وہ مختصراً یہ ہیں کہ یا تو ماں کسی ایسے شخص سے نکاح کرلے جو اولاد کے لیے غیر محرم ہو یا والدہ ایسے فسق و فجور میں مبتلا ہوجائے جو اولاد کے اخلاق و عادات پر بُرا اثر ڈالے۔ فسق و فجور سے مراد لازماً بدکاری یا سنگین قسم کی بداخلاقی نہیں۔ بلکہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی اور عدم اطاعت پر بھی فسق کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مثلاً ترکِ صوم و صلوٰۃ یا بے پردگی وغیرہ۔ پھر فقہاء نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ اولاد اگر بالکل کم سن ہو اور اس میں اتنا شعور و تمیز پیدا نہ ہوسکا ہو کہ وہ والدہ کے عادات و اطوار سے اثر پذیر ہو تو ایسی حالت میں والدہ کا فسق حقِ حضانت میں مانع نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر والد کی اخلاقی حالت بھی والدہ سے بہتر نہیں ہے، مثلاً وہ بھی نماز روزے کا پابند نہیں تو والد کو والدہ پر کوئی حقِ ترجیح حاصل نہ ہوگا۔ والدہ اگر اولاد کو کسی ایسے دُور دراز مقام پر لے جائے جہاں تک والد کے لیے وقتاً فوقتاً جاکر بچوں سے ملاقات اور پرسشِ احوال دشوار ہو تب بھی والدہ کا حقِ حضانت ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس مختصر بحث سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ حقِ حضانت کے اثبات و عدمِ اثبات کے متعدد وجوہ رائج الوقت قانون اور شرعی قانون میں بھی موجود ہیں جن کو بنیاد بناکر فریقین اپنے اپنے حق کی فوقیت ثابت کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں اور عدالت انہی کو سامنے رکھ کر کسی ایک فریق کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ دے سکتی ہے۔ اسی لیے ہماری یہ رائے اور مشورہ ہے کہ فریقین کو ایسے مقدمات میں گھناؤنے اخلاقی الزامات عائد کرنے سے قانوناً روکا جائے۔

رپورٹ کی دفعہ ۸۰ سے لے کر دفعہ ۸۲ تک عیسائیوں اور غیر مسلموں کے قوانینِ نکاح و طلاق پر بحث کی گئی ہے۔ ان دفعات کے متعلق بہتر رائے ان مذاہب کے پیرو ہی دے سکتے ہیں۔ البتہ ہم یہ امر واضح کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ نکاح و طلاق یا نفقہ و حضانت کا جو معاملہ یا تنازعہ مسلمان شوہر اور کتابیہ عورت کے مابین ہو اس پر فیصلہ قانونِ شریعت کے مطابق ہونا لازم ہے اور مسلمان عورت کسی حال میں بھی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔

دفعہ ۸۴، ۸۵، ۸۶ میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ جس عورت کی جبراً آبرو ریزی کی گئی ہو، اُسے مجرم سے مالی معاوضہ دلایا جائے۔ رپورٹ کی تجویز جو دفعہ ۸۶ میں درج ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۵۴۴ الف میں مناسب ترمیم کی جائے تاکہ زنا بالجبر یا عورت کی بے حرمتی کرنے کے جرم کے لیے کسی شخص کو سزا دینے والی عدالت اس عورت کو معقول معاوضہ دلا سکے جس کی نسبت (؟) ارتکاب جرم ہوا ہو"

ہم اس بات کو پہلے واضح کر چکے ہیں اور یہاں اُسی کو دہرائیں گے کہ زنا بالجبر ہو یا بالرضا اس کی سزا اسلام نے سَو دُرّے یا سنگساری مقرر کی ہے[1]۔ اسلام نے قتل اور قصاص کی بعض صورتوں میں تو مالی دیت مقرر کی ہے لیکن عورت کی عصمت و آبرو کا نہ کوئی مالی و مادّی بدل ہو سکتا ہے، نہ اسلام میں اس کا کوئی تصور پایا جاتا ہے۔ جس ظالم و بے شرم مرد نے عورت کا دامنِ عفت پارہ پارہ کیا ہے، کون غیرت مند مسلمان خاتون اُس سے مالی معاوضے کی خواہاں ہوگی؟ یہ مغربی تہذیب کا دیوثانہ نظریہ ہے جس میں خاوند کو بھی اس کی بیوی پر دست درازی کرنے والے سے ہرجانہ دلوایا جاتا ہے جو بھڑووں اور رنگشوں کا ذریعہ معاش ہوتا ہے! اب مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہی سبق پڑھایا جا رہا ہے اور ان کے لیے قانونی وسیلہ فراہم کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی چاہیں تو عصمت کا معاوضہ عدالتوں کے ذریعے سے وصول کر لیں۔ اسلامی شریعت اس طرح کے تصورات سے سخت اِبا کرتی ہے۔ بخاری و مسلم میں متفق علیہ حدیث نبوی موجود ہے کہ ایک شخص کا لڑکا ایک دوسرے شخص کے ہاں ملازم تھا۔ اس لڑکے نے اس دوسرے شخص کی بیوی سے زنا کا ارتکاب کیا۔ لڑکے کے والد نے فدیہ کے طور پر سَو بکریاں اور ایک لونڈی دوسرے شخص کے حوالے کر دیں اور پھر وہی والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ یہ سَو بکریاں اور لونڈی جو تو نے دی ہے یہ تیری طرف واپس لوٹائی جاتی ہیں اور تیرے لڑکے کو سَو کوڑے لگائے جائیں گے"۔

یہ سو بکریاں اور ایک لونڈی وہی "مالی معاوضہ" تو ہے جسے زانی یا اس کے والد کی طرف سے از خود رضاکارانہ طور پر پیش کیا گیا تھا۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ردّ فرما کر واپس کرا دیا۔ اسی مالی معاوضے کی تجویز اب "حقوق نسواں کمیٹی" کی طرف سے دوبارہ لائی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ جو عورت

[1] مجبور عورت پر سزا نہیں ہے۔ سزا جبراً زنا کرنے والے پر واجب ہے

ارتکاب جرم کا شکار ہوتی ہے عدالت اسے معقول معاوضہ" دلائے۔

اس کے بعد دفعہ ۸۳ سے لے کر دفعہ ۹۲ تک رپورٹ میں جو بحث کی گئی ہے اس کا مقصود و مدعا یہ ہے کہ پاکستان میں ہر طرح سے غیر مشروط اور بلا روک ٹوک اسقاطِ حمل کا قانونی دروازہ چوپٹ کھول دیا جائے۔ رپورٹ کی دفعہ ۸۹ کے بقول:

"اکثر صورتوں میں شادی شدہ عورت جملہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود حاملہ ہونے سے بچنے سے قاصر رہتی ہے۔ ہمارے قانونی نظام کے تحت اسقاطِ حمل جائز نہیں ماسوائے جبکہ یہ عورت کی زندگی بچانے کے لیے نیک نیتی سے کیا گیا ہو۔ یہ عام احساس پایا جاتا ہے کہ اسقاط حمل کو قانونی طور پہ جائز قرار دیا جائے کیونکہ تمام دنیا میں عورتوں کی طرف سے ایسا ہی مطالبہ پیش کیا جا رہا ہے"۔

ان الفاظ کو آپ ذرا غور سے پڑھیے اور بار بار پڑھیے کہ ان میں کس جرأت و جسارت کے ساتھ خلافِ واقعہ، خلافِ اخلاق اور خلافِ اسلام دعاوی اور مزعومات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کمیٹی نے سب سے پہلے تو یہ فرض کر لیا ہے کہ عورت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جو اسے گھر سے باہر نکلنے اور معاش تلاش کرنے میں مانع ہے وہ بچوں کی پیدائش ہے۔ ان بچوں کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے عورت ہر جتن کرتی ہے۔ شادی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو اس میں تاخیر سے کام لیتی ہے۔ شادی ہو جائے تو وہ ہر ممکن تدبیر کرتی ہے کہ بچوں سے بچے۔ مانع حمل ادویات و آلات استعمال کرتی ہے، خاوند کی نس بندی کراتی ہے۔ لیکن ان ساری رکاوٹوں کے باوجود بچے ہیں کہ وہ بن بلائے مہمان کی طرح چلے آ رہے ہیں۔ اس لیے آخری چارۂ کار جو کمیٹی کے نزدیک باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ بچوں کی پیدائش سے پہلے ہی حمل کا اسقاط کر دیا جائے۔ لیکن اس راہ میں جو دشواری سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کافر اور کرنٹے جو قانون بنا کر چھوڑ گئے ہیں اس میں تو حمل گرانا بڑا جرم ہے الّا یہ کہ حاملہ کی جان بچانے کے لیے نیک نیتی سے اسقاطِ حمل ہو۔ اس لیے اب اسقاط کو علی الاطلاق جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمام دنیا کی عورتیں یہی مطالبہ کر رہی ہیں! اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ دنیا کی عورتیں جو مطالبے کر رہی ہیں رفتہ رفتہ وہ سب یہاں اس دلیل سے منظور کیے جائیں گے کہ دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

کاش کہ یہ کمیٹی اور اس کے ارکان ایسی تجاویز پیش کرنے سے پہلے کچھ تو غور کرتے ۔ ہم کہنے کو تو بہت کچھ کہہ سکتے ہیں مگر اس طرح بات بڑھ جائے گی، اس لیے ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تمام دنیا نہیں، آپ صرف اپنے ملک یا دنیا کے کسی ایک ملک کے متعلق ہی بتا دیں کہ اس کی عورتوں نے کس روز کس مقام پر یہ مطالبہ کیا ہے کہ اسقاطِ حمل کو مطلقاً از روئے قانون جائز قرار دیا جائے اور کیا دنیا میں کوئی ایک ملک بھی ایسا ہے جس نے کھلم کھلا اس فعل کو قانونی جواز دے رکھا ہے؟ ہمارے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے ۔ تو کیا آپ پاکستان کو اس معاملہ میں شرفِ اوّلیت بخشنا چاہتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے اسقاطِ حمل کے مسئلے میں اسلامی اخلاقی حدود کو پامال کرے؟ فرض کیا کہ کوئی ملک ایسا قانون بنا ہی دیتا ہے یا کسی ملک کی کچھ عورتیں ایسا مطالبہ کر بھی دیتی ہیں تو کیا وہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے قابلِ اتباع اور لائقِ تقلید بن جائے گا؟ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا کہ اخبارات میں یہ خبر نگاہ سے گزری کہ کچھ شرم وحیا سے عاری عورتوں نے امریکہ میں حرامی بچوں کے لیے تمام وہی قانونی حقوق مانگے ہیں جو جائز اولاد کے لیے مختص ہیں ۔ کیا آپ کو اس مطالبے سے بھی اتفاق ہے؟ آپ نے رپورٹ پریس کو دیتے وقت تو یہ کہا کہ آپ کتاب وسنت کو سامنے رکھیں گے لیکن اب تان یہاں آکر ٹوٹی کہ دنیا کی عورتیں چونکہ اسقاطِ حمل کا غیر محدود قانونی جواز مانگتی ہیں، اس لیے اب وقت آگیا ہے کہ یہاں بھی ایسا ہی ہو۔

کمیٹی نے جو مطالبہ پیش کیا ہے اس کی لغویت کا احساس خود کمیٹی کو بھی ہے ۔ چنانچہ دفعہ نمبر۹ میں اس کا اعتراف یوں کیا گیا ہے:

> "کمیٹی نے اس سوال پر غور کیا ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اگرچہ پاکستان جیسے ملک میں اس مطالبے کو منظور کرنا ممکن نہیں لیکن پھر بھی اسقاطِ حمل کے جرم کی وسعت کو کم کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں ۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ عملی طور پر نااہل معالجوں اور نیم تربیت یافتہ دائیوں کو بھاری رقوم ادا کر کے غیر قانونی اسقاطِ حمل کرائے جاتے ہیں ۔ ایسی صورتوں میں اسقاطِ حمل غیر مفید صحت حالات میں کرایا جاتا ہے جو یا تو عورت کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے یا اس کی صحت پر بُری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔"

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ کمیٹی کے ارکان اپنے دل اور اپنی زبان سے تسلیم کر رہے ہیں کہ "پاکستان جیسے ملک" میں ان کے مطالبے کی منظوری کا امکان نہیں ۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ مطالبہ آپ کے

بقول دنیا بھر کی عورتوں کے دل کی عین آواز ہے ؛ اور اس دنیا میں ہمارا ملک بھی شامل ہے تو پھر مطالبہ کو منظور کرنا ممکن کیوں نہ ہوگا ؟ اور اگر پاکستان دنیا سے الگ تھلک کوئی انتہائی پس ماندہ اور غیر مہذب خطہ ہے جہاں آپ کا مطالبہ قابل قبول نہیں تو پھر آپ یہاں یہ ناکام و نامحمود کوشش کیوں کر رہے ہیں ؟ اور زبردستی اس غیر مشروط اسقاطِ حمل کی تجویز کو قانونی جامہ پہنانے پر کیوں مصر ہیں ؟ اقتباس بالا میں خط کشیدہ الفاظ سے قارئین یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ " اسقاطِ حمل کے جرم کی وسعت کو کم کرنے " سے مراد اس فعل مذموم کی روک تھام ہے ۔ نہیں ، بلکہ اس جرم کی وسعت کو کم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس فعلِ اسقاط کو جرم ہی نہ رہنے دیا جائے ۔ ظاہر ہے کہ جب جرم جرم ہی نہ سمجھا جائے گا اور قانون اسے جائز کر دے گا تو جرم کی وسعت کیا ، بلکہ جرم کے وجود ہی کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ مزید توضیح ارکانِ کمیٹی نے یوں کر دی کہ پھر اسقاط چھپ چھپا کر تاریک گوشوں میں اناڑی عورتیں یا مرد نہیں کریں گے بلکہ باقاعدہ مستند ڈاکٹر اور نرسیں یہ خدمت ہسپتالوں اور طبی مراکز میں علانیہ انجام دیں گی اور عورتوں کی صحت دوبالا ہو جائے گی ۔ اس لاجواب طرزِ فکر و استدلال کا کیا جواب ہو سکتا ہے ؟

" حقوقِ نسواں کمیٹی " کو پاکستان کی مسلم خواتین کی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی اور دماغی صحت بھی بہت عزیز ہے ۔ چنانچہ دفعہ ۹۱ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو :

> " ایسی بہت سی صورتیں ہیں جن میں نہ صرف حاملہ عورت کی جسمانی صحت کو درپیش سنگین خطرے کا تدارک ضروری ہے بلکہ اس کی ذہنی صحت کو بھی مذکورہ خطرے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے ۔ ایسی صورتوں میں اسقاطِ حمل قطعی ضروری ہو سکتا ہے ۔ "

یہاں مزید بحث کرنے سے پیشتر ایک خاص باریک نکتہ قابل توجہ ہے ۔ دفعہ ۸۹ جہاں سے کمیٹی نے اسقاطِ حمل والی تجویز کا آغاز کیا تھا وہاں ذکر " شادی شدہ عورت " کا تھا ۔ آگے بھی دفعہ ۹۰ تک " شادی شدہ عورت " ہی کے الفاظ استعمال کیے گئے ۔ مگر آخر میں دفعہ ۹۱ ، ۹۲ میں آکر " شادی شدہ " کی قید اڑا دی گئی اور فقط " حاملہ عورت اور حاملہ عورتیں " کے الفاظ باقی رہ گئے ۔ اور یہ بات درحقیقت ہے بھی اٹل کہ منعِ حمل یا اسقاطِ حمل کی کوئی تحریک ، کوئی تدبیر ، کوئی تجویز محض شادی شدہ خواتین تک محدود نہیں رہتی ، نہ رہ سکتی ہے ۔ آخر کار یہ کنواری اور شوہر نہ رکھنے والی خواتین تک لازماً متجاوز ہوگی ۔

بلکہ ایسی ہر تحریک و تجویز کا اصل مرکز و محور اور اصل ہدف وہی خواتین ہیں جو بن بیاہی ہیں یا جن کا شوہر مرگیا ہے یا مفقود ہے۔ یہ عقل و فطرت اور بشری طبیعت کا ایک تقاضا ہے جس کی راہ میں انسان کے گھڑے ہوئے دلائل و ضوابط حائل نہیں ہو سکتے۔ ایک دفعہ جب آپ نے قانوناً و عملاً یہ راستہ کھول دیا تو یہ کہنا بالکل لایعنی اور فضول ہے کہ اس اجازت و سہولت سے فائدہ صرف وہ عورت اٹھائے گی جو شادی شدہ ہے، جس کے ایک یا دو بچے ہو چکے ہیں اور اب مزید بچے اُسے ذہنی کوفت و اذیت میں مبتلا کر دیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ یا تو منصوبہ بندی کرے یا اسقاط کرائے۔

ہم نے وہ سارے دلائل پڑھے اور سنے ہیں جو ضبط تولید، منصوبہ بندی، نس بندی اور "وقفہ بہت ضروری ہے" وغیرہ کے حق میں دیے جاتے ہیں۔ اسقاطِ حمل کے حق میں جو کچھ آپ نے کہا یا آپ کہہ سکتے ہیں، وہ سب ہمیں معلوم ہے۔ ہم سردست اس کے جواب میں صرف ایک بات کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان خاتون کی عصمت و عفت کی کوئی قدر و قیمت آپ کی نگاہ میں ہے اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورت بے حیائی اور بدکاری سے محفوظ رہے تو خوفِ خدا اور محاسبۂ آخرت کے بعد ایک کنواری یا بے شوہر عورت کو جو چیز اس بُرائی میں ملوث ہونے سے روک سکتی ہے وہ ناجائز حمل و ولادت کا کھٹکا اور خوف ہے۔ جب آپ اس کھٹکے کا خاتمہ کر دیں گے اور منعِ حمل اور اسقاطِ حمل کی ساری سہولتیں قانوناً مہیا کر دیں گے تو اسلامی غیرت و عصمت کا جنازہ اٹھنے میں دیر نہیں لگے گی۔ کیا آپ اس سے انکار کریں گے کہ مغربی معاشرے میں نسوانی عفت ایک جنس نایاب ہے اور حقیقی اعتبار سے دوشیزگی اور پاکدامنی کا وجود وہاں عنقا ہو کر رہ گیا ہے۔ آپ کے ہاں اس عمل کا آغاز ہو چکا ہے اور اب آپ اس کی رفتار تیز سے تیز تر کر دینا چاہتے ہیں۔ ایک عرصہ گذرا، یہ بات اخبارات میں آچکی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے محکمے میں ملازم خواتین نے ایک سابق وزیر صحت کے سامنے یہ شکایت رکھی کہ محکمے کے مرد ملازمین کے ہاتھوں ان کی آبرو محفوظ و مامون نہیں ہے اور وزیر نے اس معاملے کو زیر غور رکھنے کا وعدہ کیا۔ شاید یہ غور کرنا پیش نظر ہو گا کہ ان بے وقوف عورتوں کے دماغ سے عصمت و عفت کا خیال کیسے نکالا جائے۔

ہمارا دل اور ضمیر خون کے آنسو روتا ہے اور کسی شاعر کا شعر بار بار یاد (باقی اشارات صفحہ ۴۴)